حدیث وسنت

مولانا داؤد ارشد، فیصل آباد
تحقیق ونظر ثانی: مولانا ارشاد الحق اثری

مصنف عبدالرزاق کے الجزء المفقود کی 'دستیابی'

۱۹۷۰ء میں جب پہلی بار حدیث کی عظیم کتاب مصنف عبدالرزاق ہندوستان سے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے طبع کرائی تو یہ صراحت بھی کی کہ اس کتاب کے آغاز کے چند صفحات اور پانچویں جلد کے بعض صفحات تاحال مل نہیں سکے۔ بعد میں کئی اہل علم ان ناقص صفحات کی تلاش میں رہے۔ برصغیر کے بریلوی مسلک کے لوگ نبی کریم ﷺ کی شانِ رسالت میں غلو کرتے ہوئے آپ کی ذاتِ گرامی کو 'نور' قرار دیتے ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس نور کی تخلیق ہر شے سے قبل ہوئی اور نور ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کا سایہ بھی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ قبل ہندوستان سے محمد امین برکاتی قادری نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے مصنف عبدالرزاق کا یہ ناقص حصہ مل گیا ہے اور اس ناقص حصہ میں نبی کریمؐ کے نور ہونے پر حدیثِ جابر بھی موجود ہے۔ بعدازاں یہ مخطوطہ دوبئی پہنچایا گیا، جہاں ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع حمیری نے اپنی تحقیق اور محمود سعید ممدوح کی تقدیم کے ساتھ ۲۰۰۵ء میں اسے ناشر کے تذکرہ کے بغیر ۱۰۵ صفحات میں خوبصورت انداز میں شائع کردیا۔ ۲۰۰۴ء میں پاکستان کے بعض بریلوی دینی رسائل میں بھی 'احادیثِ نور' ملنے کی خوشخبری کا اعلان کیا گیا اور لاہور میں بھی اسی نسخہ کو دسمبر ۲۰۰۵ء میں محمد عبدالحکیم شرف قادری نے دوسرے ایڈیشن کے طور پر شائع کردیا۔

دوبئی میں مصنف عبدالرزاق کا یہ مزعومہ حصہ شائع ہونے سے عالم عرب میں اور لاہور میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے سے پاکستان کے علمی حلقوں میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ اس حصے کی حقیقت کیا ہے؟

پاکستان میں سب سے پہلے مولانا زبیر علی زئی نے اپریل ۲۰۰۶ء کے شمارہ 'الحدیث' میں اس گم شدہ حصے کو من گھڑت اور ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے اپنے موقف پر متعدد علمی دلائل پیش کئے۔ بعدازاں ماہنامہ 'نداء الاسلام' کے مئی کے شمارہ میں مولانا یحییٰ گوندلوی نے یہی موقف اپناتے ہوئے بعض دیگر دلائل کا اضافہ کیا، یہ مضمون مختصر طور پر 'تنظیم اہل حدیث' کے ۱۱ مئی کے شمارے میں بھی شائع ہوا۔ فیصل آباد کے مولانا داؤد ارشد صاحب نے اسی موضوع پر ایک مختصر تحقیقی مضمون قلم بند کیا جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے محافظِ حدیث وسنت مولانا ارشاد الحق اثری نے زیر نظر تفصیلی تجزیاتی مضمون تحریر کیا جو اس موضوع پر جامع ومفصل ترین اور خالص محدثانہ دلائل سے آراستہ ہے جس کے بعد اس جزءِ مفقود کی حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

لیکن ظاہر ہے کہ پاکستان میں جاری یہ علمی مباحثہ دراصل دوبئ میں ہونے والے واقعہ کی بازگشت ہے جو ڈاکٹر مانع حمیری کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ ڈاکٹر مانع حمیری دبئ کی وزارتِ اوقاف کا کئی سال منسٹر رہ چکا ہے اور قبوری، صوفی اور جہمی عقائد کا حامل ہے۔ اپنی وزارت کے دوران سنت اور عقیدہ سلف صالحین کو نقصان پہنچانے کے لئے سرگرم رہا اور ہمیشہ اہل بدعت کی جمعیت اس کے گرد جمع رہتی۔ بدعات اور فاسد عقائد کو پھیلانے کے لئے اس نے کئی کتب تصنیف کیں مثلاً البدعة أصل من أصول التشريع اور التأمل في حقيقة التوسل وغیرہ۔ بعد میں اسے اوقاف سے معزول کردیا گیا اور ان دنوں یہ كلية إمام مالك میں اُستاد ہے اور اپنے انہی عقائد کو فروغ دے رہا ہے۔ ڈاکٹر مانع حمیری کے گذشتہ برس اس کتاب کو شائع کرنے کے بعد اِمسال فروری ۲۰۰۶ء میں عالم عرب میں اس حرکت کا نوٹس لیا گیا، ریاض سے محمد زیاد بن عمر تُکلہ نے مصنف عبدالرزاق سے منسوب اس اضافہ کا عالمانہ ومحققانہ جائزہ لیا اور ۱۷۳ صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس مقالہ میں اس جزءِ مفقود کے حصول کا سارا پس منظر، مکالمات اور مخطوطہ کی فنی حیثیت وغیرہ کے علاوہ ایک مستقل حصہ میں اسناد ومتن میں غلطیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ ریاض کے جامعہ ملک سعود کے پروفیسر سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز الحمید نے ۸ مارچ ۲۰۰۶ء کو اس بارے میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ''ہم یہ سمجھتے تھے کہ وضع حدیث کا فتنہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس حصہ کی اشاعت نے اس دور میں ہمیں دوبارہ فتنۂ وضع حدیث کی طرف متوجہ کردیا ہے۔ شناعت اور کذب بیانی کے لحاظ سے یہ واقعہ ڈنمارک میں اہانتِ رسولؐ کے واقعہ سے کم نہیں ہے۔ جو آدمی بھی ان الفاظِ حدیث پر غور کرے گا تو وہ عجمی تراکیبِ الفاظ اور بے تکی اسانیدِ حدیث جن کی کمزوری فن حدیث سے واقف اہل علم پر مخفی نہیں، کی بنا پر اس کو نبی کریم ﷺ پر ایک الزام ہی قرار دے گا۔'' مزید برآں جن علما نے اس جزءِ مفقود کا مطالعہ کیا ہے، اُنہیں بھی اس کے موضوع اور بناوٹی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مثلاً شیخ خالد دریس، شیخ عمر حفیان، شیخ بندر شویقان، شیخ صالح عصیمی، شیخ احمد عاشور، شیخ عبدالقدوس محمد نذیر، شیخ سعد سعدان اور شیخ عبدالوہاب زید وغیرہ

دلچسپ امر یہ ہے کہ مطبوعہ نسخہ میں تو ڈاکٹر مانع حمیری کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ مخطوطہ اسے ہندوستان سے محمد امین برکاتی قادری نے دیا ہے جو ۹۳۳ھ میں بغداد کے کاتب اسحٰق سلیمانی کا لکھا ہوا ہے۔ دوسری طرف اس کے ساتھ کام کرنے والے فن حدیث کے باذوق عالم شیخ کمدانی کی شہادت یہ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں جب اُس نے یہ مخطوطہ شیخ کمدانی اور محمود سعید ممدوح کو دکھایا تو شیخ کمدانی نے مخطوطہ کی ظاہری کیفیت دیکھ کر ہی اس کے بناوٹی ہونے دعویٰ کر دیا اور مخطوطات کی تحقیق کے لئے دبئ کے مرکز جمعہ الماجد میں لے جانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر ڈاکٹر حمیری نے یہ مخطوطہ اسے دینے سے انکار کردیا۔ پھر شیخ کمدانی نے حمیری سے کہا کہ اس مخطوطہ کا اصل نسخہ تو ہندوستان سے منگوائے جس کا جواب اُسنے یہ دیا کہ یہ نسخہ سوویت یونین کی

©rasailojaraid.com

ایک لائبریری سے نقل کیا گیا ہے جو افغان جہاد کے دوران جنگ کی نذر ہوگئی۔ یہاں سے حمیری کے اپنے مخطوطہ کی اصل کے بارے میں دو مختلف موقفوں کا پتہ چلتا ہے جس سے اس مخطوطہ کی بنیاد ہی مشکوک ہوجاتی ہے۔مخطوطہ کی فنی کیفیت پر بھی بے شمار ایسے سوالات ہیں جن کے بعد یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی کہ یہ مخطوطہ اُس قدر قدیم ہے جتنا دعویٰ کیا جاتا ہے۔شیخ زیاد تکلہ کے بقول یہ مخطوطہ ہندوستان کے کسی ماہر کاتب کا تحریر کردہ ہے جو حال میں ہی لکھوایا گیا ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ ڈاکٹر حمیری اس سنگین جرم کا مرکزی کردار ہے جس نے نہ صرف اس کو پہلی بار شائع کیا بلکہ بے شمار باتوں کو عمداً چھپانے کی کوشش کی اور بعض مغالطے بھی دیے۔ایسے ہی اس جرم میں مقدمہ لکھنے والا محمود سعید ممدوح برابر کا شریک ہے جس نے فن حدیث میں باذوق ہونے کے باوجود متعدد حقائق چھپائے، جبکہ اس کے اُستاذ عبد اللہ غماری کا اسی موضوع پر مستقل رسالہ ہے جس میں اُنہوں نے حدیثِ جابر کو غیر ثابت شدہ قرار دیا اور مصنف عبدالرزاق کی طرف اس حدیث کی نسبت کو جھوٹ بتایا ہے۔مزید تفصیل کے شائقین ادارہ محدث سے رجوع کریں، جہاں عرب علماء کے موقف بھی موجود ہیں۔اُردو زبان میں اس موضوع پر سب سے جامع تنقید ہدیۂ قارئین ہے۔ (حافظ حسن مدنی)

....

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس اُمت کو جن خصائص اور اعزازات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک عظیم الشان خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو خاتم النّبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرامین کو بالاسناد محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔اس اُمت کے علاوہ پہلے جتنی اُمتیں ہوگزری ہیں، کسی کو اپنے نبی کے آثار وارشادات متصل سند کے ساتھ جمع کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔امام عبداللہ بن مبارکؒ کا فرمان ہے کہ

”الإسناد من الدين ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء“ (مقدمہ مسلم:۱۲/۱)

''اسناد' دین میں سے ہیں، اگر سند نہ ہوتو ہر کوئی جو چاہے کہے۔''

خطیب بغدادیؒ نے الکفایۃ ص۳۹۳ میں ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ''جو شخص دینی اُمور کو بلا سند لیتا ہے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتا ہے۔'' سند کا یہ اہتمام احادیث وآثار تک ہی محدود نہیں بلکہ لغت، شعر وادب، تاریخ ورجال بھی بالاسناد بیان کئے جاتے ہیں۔سند کے اسی اہتمام کی بنا پر کتبِ مصنفہ کی روایت بھی قرناً بعد قرن بالاسناد ہوتی رہی، بلکہ کتاب کی ابتدا یا اس کے اختتام پر اس کی مسموعات کو بھی ناسخین نے سند کے اہتمام کی بنا پر محفوظ کیا اور کتاب نقل کرنے کے اُصول وضوابط مقرر کیے، نقل شدہ نسخہ کی صحت

اور عدمِ صحت متعین کی، جس کی تفصیل الکفایۃ، الجامع لأخلاق الراوي والسامع الإلماع في ضبط الروایۃ وتقیید السماع اور علوم الحدیث لابن الصلاح وغیرہ کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سند اور کتاب کی اس قدر حفاظت و صیانت کے باوصف وضاعین و کذابین اور متساہلین سے جو باتیں صادر ہوئیں وہ بڑی حیرت ناک اور عجیب ہیں۔ شیوخ اور محدثین کی روایات میں اپنی روایت بنا کر داخل کردینا، کتابیں لکھ کر ثقہ محدثین اور اہل علم کی طرف منسوب کردینا، محدث کی کتاب میں اپنے لکھے ہوئے اجزا شامل کرکے باور کرانا کہ یہ بھی اس کا حصہ ہے، کذابین اور ضعفا کا مشغلہ رہا ہے جس کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ اس حوالے سے شائقین سفیان بن وکیع، قیس بن ربیع الاسدی، عبداللہ بن صالح، حبیب بن ابی حبیب الورّاق اور خالد بن نجیح کے تراجم ملاحظہ فرمائیں۔

یحییٰ بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ایک جماعت کے پاس ایک جز تھا جسے اس نے ابن لہیعہ سے سنا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس میں (حقیقۃً) ایک حدیث بھی ابن لہیعہ کی نہ تھی۔ میں پھر ابن لہیعہ سے ملا تو اُنہیں اس کی اطلاع دی۔ اُنہوں نے فرمایا: میں کیا کروں، میرے پاس کتاب لے کر آتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ آپ کی احادیث ہیں (اُنہیں بیان کیجئے) تو میں اُنہیں بیان کردیتا ہوں۔ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں: اسی نوعیت کا واقعہ ہمارے شیوخ میں ہوتا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص۱۸۷)

حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام معمر کا بھتیجا رافضی تھا۔ امام معمر اسے اپنی کتابیں پکڑا دیتے، اس نے ایک حدیث امام معمر کی کتاب میں داخل کردی (التہذیب: ج۱/ص۱۲) وہ روایت امام معمر نے امام عبدالرزاق سے بیان کی، جسے اُنہوں نے بیان کیا۔ جس کی تفصیل التہذیب وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حاجی خلیفہ نے مقدمۃ ابن اللیث کی شرح ــــ جو شیخ مصلح الدین مصطفیٰ بن زکریا المتوفی ۸۰۹ھ نے کی اور اس کا نام التوضیح رکھا ــــ کے بارے میں علامہ شعرانی سے نقل کیا ہے کہ یہ شرح بڑی عظیم ہے۔ اس کے مؤلف مصر گئے تو بعض حاسدین نے ان کی کتاب میں ایک عبارت داخل کردی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توہین ہوتی تھی، اسی بنا پر

اُنہوں نے ان کے کفر اور قتل کا فتویٰ دیا۔ شیخ مصلح الدین نے وہاں سے بھاگ کر جان بچائی۔ (کشف الظنون: ج۲/ص۱۷۹۵)

علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواهر ج۱/ص۷ میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابن عربی کی فتوحات میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں، وہ سب دسیسہ کاری ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوطاہر مغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ اُنہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں ابن عربی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخے سے کیا۔ اس نسخہ میں وہ فقرات نہیں تھے جو میرے نسخہ میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف کیا تھا۔ اسی طرح اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملاحدہ اور زنادقہ نے امام احمد، علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور امام غزالیؒ کی تصانیف خصوصاً إحیاء العلوم میں تدسیس کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ باطنیہ کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کردی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔ زنادقہ نے امام احمد کے مرض الموت کے ایام میں ایک کتاب لکھ کر پوشیدہ طور پر ان کے تکیے کے نیچے رکھ دی، اگر امام احمد کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ اُنہوں نے تکیے کے نیچے پایا تھا، اس کی بنا پر لوگ بڑے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے رافضہ کے مکروفریب شمار کرتے ہوئے بتیسویں مکر میں ذکر کیا ہے کہ ان کے علما کی جماعت نے اہل سنت کی کتابوں، بالخصوص تفسیر اور تاریخ کے موضوع پر جو اکثر علما اور طلبا کے ہاتھوں میں بھی نہ تھیں، نیز بعض کتبِ احادیث میں جو مشہور نہ تھیں اور ان کے نسخے بھی متعدد نہیں ملتے، میں نہایت جھوٹی باتیں بنا بنا کر جن سے شیعہ مذہب کو تقویت ملے اور سنیوں کے مذہب کو باطل قرار دیں، شامل کی ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص۴۹، باب ثانی)

امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ایک کتاب کتاب الصلاۃ کے نام سے منسوب ہے جو مصر سے شائع ہوئی ہے۔ حافظ ابن جوزی نے اسے امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے مگر حافظ ذہبی صاف صاف فرماتے ہیں: ”هو موضوع على الإمام“ یہ امام صاحب پر افتراء ہے (السیر: ج۱۱/ص۳۳۰) اسی طرح السیر (ج۱۱/ص۲۸۷) میں بھی اُنہوں نے اس کی نسبت امام احمد کی طرف 'باطل' قرار دی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ الرد علی الجهمية اور احمد بن جعفر

©rasailojaraid.com

www.KitaboSunnat.com

اصطخری کا اس حوالے سے رسالے کا انتساب بھی امام صاحب کی طرف درست نہیں۔

یہاں اس قسم کے واقعات کا استیعاب (مکمل شمار) تو مقصود نہیں۔ تاہم مزید دیکھئے کہ اباء بن جعفر نے تین سو سے زائد احادیث وضع کر کے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر دیں (میزان: ج۱ص۱۷وغیرہ) عبداللہ بن محمد بن جعفر قزوینی نے 'سنن الشافعی' کے نام سے کتاب لکھی۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس میں اس نے دو سو احادیث ایسی درج کیں جن کو امام شافعی نے بیان نہیں کیا۔ (میزان: ج۳ص۴۹۵) الفقه الأكبر کے نام سے امام شافعی کی ایک کتاب مطبوع ہے اور الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر کے نام سے المكتبة التجارية مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔ شیخ علامہ مشہور بن حسن آل سلمان فرماتے ہیں: "الفقه الأكبر المكذوب على الإمام محمد بن إدريس الشافعي" کہ "فقہ اکبر امام شافعی پر افترا اور جھوٹ ہے۔" (كتب حذر منها العلماء:۲/۲۹۳) حاجی خلیفہ نے بھی فرمایا ہے: لكن فيه شك والظن الغالب أنه عن تأليف بعض أكابر العلماء کہ "الفقه الأكبر کا انتساب امام شافعی کی طرف ہے لیکن اس انتساب میں شک ہے، ظن غالب یہی ہے کہ یہ بعض اکابر علما کی تصنیف ہے۔" (کشف الظنون: ج۲ص۱۲۸۸)

ان گزارشات سے واضح ہوجاتا ہے کہ دین کی بنیاد اور اس کی صیانت وحفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ سند ہے جو اس علت اور اُمت کا خاصہ ہے۔ مگر زنادقہ نے مختلف حربوں سے اسکو گدلا کرنے کی کوشش کی لیکن محدثین کرام اور دیگر اہل علم نے ان کی ان سازشوں سے خبردار کیا اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دکھایا۔ جزاء هم الله أحسن الجزاء عنا وعن جميع المسلمين

مصنف عبدالرزاق کا جزءِ مفقود

ذخیرۂ کتبِ احادیث میں ایک کتاب امام عبدالرزاق کی المصنف ہے جو سب سے پہلے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق سے ۱۳۹۰ھ یعنی ۱۹۷۰ء میں حیدرآباد دکن سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوئی۔ مگر یہ طبع اپنی ابتدا کے اعتبار سے ناقص ہے بلکہ اس کی پانچویں جلد کی ابتدا میں بھی نقص پایا جاتا ہے، جیسا کہ خود اُنہوں نے پہلی جلد کی ابتدا میں اس کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

© rasailojaraid.com

"إن النسخ التی عثرنا علیها أو التی أحرزناها مصورة أومخطوطة — كلها ناقصة إلا نسخة مراد علي — فإنها كاملة إلا نقصا بسيطا في أولها وفي خاتمة المجلد الخامس عن مجلدات الأصل فيما نرٰی"

اب حال ہی میں المصنف کا ابتدائی حصہ ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ حمیری کی تحقیق سے ۲۰۰۵ء میں طبع ہوا جس پر ناشر کا کوئی نام نہیں۔ البتہ اسی نسخہ کا عکس بعد میں دسمبر ۲۰۰۵ء ہی میں مؤسسة الشرف لاہور کے تحت جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے مقدمة الطبعة الثانية کے ساتھ طبع ہوا۔ اسی نسخہ کے بارے میں پہلے ماہنامہ 'نور الحبیب' بصیر پور میں جولائی ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں اور اس کے بعد ماہنامہ 'اہلسنّت' گجرات میں اگست ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں، پھر ماہنامہ 'سوے حجاز' لاہور اکتوبر ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں 'عالم اسلام کے لئے عظیم الشان خوشخبری' کے عنوان سے اشتہارات شائع ہوئے جن میں یہ خوشخبری دی گئی کہ حدیثِ نور اور حدیثِ عدمِ سایہ کی بازیافت ہوچکی جو المصنف عبدالرزاق کا ابتدائی حصہ ہے اور عنقریب منصۂ شہود پر آنے والا ہے۔ بلکہ 'سوے حرم' نے تو اس حوالے سے سات احادیث شائع بھی کردیں جو اسی موضوع سے متعلق تھیں۔

حدیث شریف کی خدمت بلا شبہ بڑی عظیم الشان سعادت ہے اور احادیثِ مبارکہ کے نایاب جواہر پاروں کو تلاش کرکے زیورِ طبع سے آراستہ کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ تاہم یہ بات بہرنوع ضروری ہے کہ پوری ژرف نگاہی اور دیانت داری سے یہ کھوج لگایا جائے کہ اس کتاب یا جز کا پایۂ استناد وانتساب کس حد تک درست ہے۔ محدثین کرام نے اس کیلئے جو اُصول وضوابط مقرر کئے ہیں کیا یہ رسالہ اور جز اس میزان پر صحیح طور پر پورا اُترتا ہے یا نہیں؟ ہم جب اسی حوالے سے المصنف کے اس حصہ کا جائزہ لیتے ہیں تو کئی اعتبار سے اسکا انتساب امام عبدالرزاق کی طرف درست ثابت نہیں ہوتا جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

1. پہلی بنیادی اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر عیسیٰ حمیری نے اس نسخہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"وليس على النسخة التی بين يدينا أية سماعات وهي نسخة كاملة

أملك منها الآن المجلدين الأوّل والثاني فقط وأترك الحكم للقاري الكريم وأهل الاختصاص وأضع بين أيديهم الجزء المفقود" (ص۱۴،۱۵)

''ہمارے سامنے جو نسخہ ہے، اس پر کوئی سماعات نہیں۔ یہ نسخہ کامل ہے اور مجھے اس کی صرف جلد اوّل اور ثانی دستیاب ہوئی ہے۔ اس بارے میں فیصلہ قارئین کرام اور متخصصین پر چھوڑتا ہوں اور اس میں سے گمشدہ حصہ کو ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔''

سماعات سماع کی جمع ہے، جب ایک قلمی نسخہ اہل علم خود پڑھتے یا تلامذہ استاد پر اس کی قراءت کرتے تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھا یا سنا ہے۔مگر اس نسخہ کے بارے میں ڈاکٹر حمیری نے فرمایا ہے کہ اس پر کوئی سماعات نہیں ہیں۔ پھر خود ان کا یہ فرمانا کہ ''اس کے بارے میں فیصلہ قارئین کرام اور متخصصین پر چھوڑتا ہوں۔'' بجائے خود اس بات کا اظہار ہے کہ اُنہیں بھی اس کے بارے کامل اعتماد نہیں کہ اس کی نسبت المصنف للإمام عبدالرزاق کی طرف درست ہے یا نہیں؟

❷ اس مخطوطہ کے ناسخ اسحٰق بن عبدالرحمٰن سلیمانی ہیں۔ اس کا جز اوّل اُنہوں نے ۹؍رمضان المبارک ۹۳۳ھ میں لکھا، جیسا کہ اس جز کے عکس سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ناسخ کون ہیں؛ ثقہ ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں ڈاکٹر حمیری بھی خاموش ہیں۔ اس کا ترجمہ وتوثیق بھی متداول کتب میں کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ جب کہ ناسخ کے بارے میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ ثقہ اور معروف الخط ہو، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ

''جس طرح یہ شرط ہے کہ کتاب کے بارے میں یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی، اگر اس کے بارے میں شک ہو تو اس سے روایت درست نہیں، اس طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس کا ناسخ ثقہ ہو، لیکن: إن لم یکن الکتاب بخط ثقة بلا خلاف (تدریب الراوی: ج۲ص۶۸ النوع ۲۶)

''اگر کتاب ثقہ ناسخ سے نہ ہو تو بھی بلا اختلاف اس پر اعتماد درست نہیں۔''

یہی بات اس سے قبل النوع ۲۵ میں علامہ نوویؒ نے ایک دوسرے اُسلوب میں فرمائی ہے۔ لہٰذا جب اس نسخہ کے ناسخ کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، نہ اس نے اس میں اپنے سماع کا ذکر کیا اور نہ ہی کسی محدث سے اس نسخہ کے بارے میں اعتماد نقل کیا تو اس نسخہ کا اعتبار کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

٣ جناب ڈاکٹر حمیری نے یقیناً خدمتِ حدیث کے جذبہ سے الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف طبع کرایا۔مگر کیا ان کے علم میں یہ نہیں کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ کی جلد خامس بھی ابتدا سے ناقص ہے جس کا اظہار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے پہلی جلد کی ابتدا ہی میں کیا ہے۔ اب جب کامل نسخہ دستیاب ہوا ہے تو خدمتِ سنت کا کیا یہ تقاضا نہ تھا کہ اس حصہ کو بھی طبع کیا جاتا یا کم از کم اس کا اظہار ہی کردیا جاتا کہ دوسرے نقص کا جو اشارہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے، وہ غلط ہے اور وہاں کوئی نقص نہیں۔ خدمت سنت کا یہ جذبہ آخر اس بارے میں خاموش کیوں ہے؟

٤ المصنف کے مطبوعہ نسخہ سے عیاں ہوتا ہے کہ امام عبدالرزاق نے المصنف میں باقاعدہ کتاب اور اس کے تحت ابواب مرتب کئے ہیں۔ مثلاً پہلی جلد کی ابتدا میں کتاب الطهارة نہیں۔ اس کے بعد ابواب کا بظاہر تسلسل نہیں جو اس کے نقص کی دلیل ہے۔ اس کے بعد پہلی جلد ہی میں کتاب الحیض، کتاب الصلاۃ، یہ کتاب تیسری جلد تک مسلسل ہے اور اس کے تحت تمام متعلقہ ابواب ہیں۔ اس کے بعد تیسری جلد ہی میں کتاب الجمعہ، کتاب صلاۃ العیدین، کتاب فضائل القرآن، کتاب الجنائز۔ اسی طرح چوتھی میں کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام وغیرہ آخر کتاب تک۔ علامہ الکتانی نے بھی لکھا ہے: رتّبه علىٰ الكتب والأبواب

''امام عبدالرزاقؒ نے اسے کتب اور ابواب پر مرتب کیا ہے۔''

(الرسالة المستطرفة: ص٣٦)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ الجزء المفقود کے نام سے اس نسخہ کا آغاز كتاب الإيمان سے نہیں۔ ڈاکٹر حمیری نے وضاحت کردی ہے کہ موقعہ کی مناسبت سے ہم نے یہ اضافہ کیا ہے۔ (الجزء المفقود: ص٥١) ،كتاب الطهارة بھی نہیں، یہ عنوان بھی ڈاکٹر حمیری نے دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مولانا اعظمی صاحب نے (كتاب الطهارة) کو قوسین میں ذکر کیا۔ یہ کیسا کامل نسخہ ہے کہ کتاب کے پورے اُسلوب کے برعکس اس میں 'کتاب' کا نام ہی نہیں۔ کیا ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہم نوا بتا سکتے ہیں کہ ان کے کامل نسخہ میں 'کتاب' نام کا کوئی عنوان ہی نہیں۔ دیدہ باید

© rasailojaraid.com

❺ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی المصنف کی سند متعدد طرق سے ذکر کی ہیں۔ ملاحظہ ہو تغلیق التعلیق (ج۵ص۴۵۵)، امام ابوبکر محمد بن خیر اشبیلی المتوفی ۵۷۵ھ نے فهرسة ابن خير ص۱۰۷ رقم ۱۷۴ میں المصنف کی اسانید ذکر کی ہیں۔ اسی طرح دیگر حضرات جنہوں نے المصنف کی روایت کی ہے، وہ اپنی روایت میں کسی نوعیت کے نقص کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ نقص کا یہ گھپلا کب اور کیسے واقع ہوا؟

❻ جناب ڈاکٹر حمیری نے مطبوعہ اور مخطوط کے مابین ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے مگر افسوس کہ مخطوط میں جگہ بہ جگہ جو تساہل بلکہ تغافل پایا جاتا ہے، اس کی طرف کوئی اشارہ اُنہوں نے نہیں کیا۔ اسی تغافل سے اس مخطوط کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔

یحییٰ بن ابی زائدۃ کون ہیں؟

چنانچہ اسی الجزء المفقود میں جو چالیس روایات پائی جاتی ہیں، ان میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدۃ سے منقول ہیں اور ان تمام روایات میں اسناد کے اعتبار سے عجیب گھپلا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ کی ایک روایت جو الجزء المفقود کے ص ۶۱ رقم ۱۵ پر ہے۔ اس کی سند یوں ہے: ”عبد الرزاق عن معمر عن ابن أبي زائدة عن ابن عون“

معمر سے مراد امام معمر بن راشد ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے بارے میں یہ وضاحت کردی ہے کہ معمر لا يروي عن ابن أبي زائدة کہ ”معمر، ابن ابی زائدہ سے روایت نہیں کرتے“، گویا یہ روایت منقطع ہے۔ لیکن معاملہ اس پر ختم نہیں ہوتا، کیونکہ یحییٰ بن ابی زائدۃ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳، ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا، جیسا کہ التهذيب للمزي ج۲ ص۱۸۱ وغیرہ میں ہے اور ڈاکٹر حمیری نے بھی الجزء المفقود ص۲۰ میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدۃ، دراصل یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ ہیں جو ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اُنہیں طبقہ تاسعہ میں شمار کیا ہے۔ (تقریب: ص۳۷۵) جبکہ امام معمر سابعہ طبقہ کے ہیں۔ (تقریب: ص۳۴۴) جو ۱۵۳ یا ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے، اُنہوں نے ۵۸ سال عمر پائی، اس حساب سے ان کی پیدائش ۹۵، ۹۶ھ میں بنتی ہے۔ گویا امام معمر کی وفات پر یحییٰ کی عمر ۲۹، ۳۰ سال تھی۔ چاہئے تو یہ کہ یحییٰ بن ابی زائدۃ امام معمر سے روایت کرتے کہ

© rasailojaraid.com

وہ امام معمر سے بہرنوع بعد میں ہوئے ہیں لیکن یہاں گنگا اُلٹی بہتی ہے کہ امام معمر، یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی صاحب دل کی تسلی کے لئے اسے روایة الأکابر عن الأصاغر قرار دیں لیکن اس کے لیے دونوں کے مابین ثبوتِ سماع کی ضرورت ہے، اس لئے یہ بہانہ سازی بھی یہاں نہیں چل سکتی۔ غالبًا اسی لئے ڈاکٹر حمیری نے اعتراف کیا ہے کہ امام معمر کی یحییٰ سے روایت نہیں۔

یحییٰ بن ابی زائدۃ کی دوسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ کی ایک روایت کی سند یوں ہے:

”قال عبد الرزاق أخبرني یحییٰ بن أبي زائدة عن سلیمان بن یسار قال علّمني أبو قلابة“ (الجزء المفقود: ص۶۰ رقم ۱۳)

ابھی ہم ذکر کرآئے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اس سند میں وہ سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں۔ جن کی وفات علیٰ حسب الاختلاف ۱۰۰ھ میں، ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ، ۱۰۷ھ یا ۱۰۹ھ بتلائی گئی ہے اور اکثر محدثین نے فرمایا ہے کہ وہ ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔ (التهذيب للمزي ترجمہ ۲۵۵۹ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ نے انہیں کبار الثالثة یعنی ثالثہ طبقہ کے کبار محدثین میں شمار کیا ہے۔ (تقریب: ۱۳۶) اس اعتبار سے سوال یہ ہے کہ یحییٰ جو ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، وہ ۱۰۷ھ میں تیرہ سال پہلے فوت ہوجانے والے سلیمان بن یسار سے کیونکر روایت کرسکتے ہیں؟ کہاں نویں طبقہ کا یحییٰ بن زکریا اور کہاں تیسرے طبقہ کے کبار محدثین میں شمار ہونے والے سلیمان سے اس کی روایت! افسوس ہے ڈاکٹر حمیری یہاں خاموش ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہاں انقطاع ہے۔ یہ بات بجا سہی، لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے جو یحییٰ بن زکریا کی روایات سے سامنے آرہا ہے کہ اسے کس کس کا استاد اور کس کس کا شاگرد بنایا جارہا ہے؟

یحییٰ بن ابی زائدۃ کی تیسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی تیسری روایت الجزء المفقود کے ص ۸۳ رقم ۲۲ پر ہے جس کی

© rasaliojarida.com

www.KitaboSunnat.com

سند حسب ِذیل ہے:

”عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن أبي سعيد الخدري“

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر حمیری اپنے علم وفضل کے باوصف اس سند کے بارے میں بالکل خاموش ہیں جبکہ امام مالک بھی طبقہ سابعہ کے ہیں جو ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی۔ ڈاکٹر حمیری جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معمراور زائدہ کے مابین انقطاع ہے تو یہاں امام مالک اور یحییٰ کے مابین انقطاع کیوں نہیں؟ بالخصوص جبکہ یحییٰ بن زکریا تو امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو التهذيب للمزی (ج۱۷/ص۳۸۴ اورج۲۰/ص۷۸) اور یہ قطعاً ثابت نہیں کہ امام مالکؒ نے یحییٰ سے بھی روایت لی ہے۔ چلئے ہم اس پہلو سے اسے نظر انداز کرتے ہیں۔مگر ثانیاً یہ بھی لطیفہ ہی ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ جو تاسعہ طبقہ سے ہے اور ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حضرت ابوسعید خدریؓ صحابی رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اس صریح دھاندلی کے باوجود افسوس کہ فاضل ڈاکٹر حمیری اس پر خاموش ہیں اور دوسری اسانید سے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کا حوالہ ذکر کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا یہاں یہ روایت اسی سند سے موجود ہے۔ إنا لله وانا اليه راجعون

یحییٰ کی چوتھی حدیث

اسی طرح یحییٰ کی چوتھی حدیث الجزء المفقود کے ص۹۱، رقم ۳۴ کے تحت جس کی سند یوں ہے:

”عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن علي رضي الله عنه“

یہاں بھی وہی معاملہ ہے جو حدیث نمبر تین میں ہے اور یحییٰ تاسعہ طبقہ کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔سبحان اللہ، اور جناب ڈاکٹر حمیری حسب ِسابق یہاں بھی خاموش ہیں اور اس کی تخریج میں ترمذی، احمد، البزار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کتابوں میں یہ أبو إسحق عن أبي حية عن علي کی سند سے موجود ہے،مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اس سند سے تو یہ المصنف عبدالرزاق رقم ۱۲۰، ۱۲۱ میں بھی موجود ہے۔ کیا کتاب کے صحیح انتساب کے لئے تنہا متن کا مل جانا کافی ہے؟

© rasailojaraid.com

یحییٰ کی پانچویں حدیث

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ کی پانچویں حدیث اسی صفحہ۹۱ حدیث ۳۵ پر ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے: ''وبهذا الإسناد عن ابن عمر''

کہ ''اسی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔''

لیجئے جناب! یہاں یحییٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ طبقہ تاسعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے بارے میں بھی ڈاکٹر حمیری خاموش ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدہ سے مروی ہیں جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایہ ہیں۔ اور الجزء المفقود میں اس کی تین روایات امام مالکؒ سے ہیں۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس کے باوجود یحییٰ امام مالک کے شاگرد ہیں، کسی نے اُنہیں امام مالک کا استاد قرار نہیں دیا۔ اور نہ پوری المصنف عبدالرزاق میں اس کے علاوہ کہیں مالک عن یحییٰ بن ابی زائدۃ کی کوئی روایت پائی جاتی ہے۔ بلکہ مختلف ذرائع سے ہم نے اس کا تتبع کیا کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ میں ایک روایت بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی مروی نہیں، آخر یہ کیوں؟

ایک اور سند اور لطیفہ

الجزء المفقود ص۵۵ حدیث۲ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

''عبدالرزاق عن ابن جريج قال أخبرني البراء قال ما رأيت شيئًا قط أحسن من رسول الله ﷺ''

قارئین کرام یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس الجزء کے فاضل محقق جناب ڈاکٹر حمیری فرماتے ہیں: ''ابن جريج حافظ ثقة وكان يدلس فقد صرح هنا بالإخبار''

''ابن جریج ثقہ حافظ اور مدلس تھے مگر یہاں اُنہوں نے 'اخبرنی' کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے۔''

بے خبری اور اندھی عقیدت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ اس سند کو أخبرني دیکھ کر سماع پر محمول کرتے ہیں اور اتنی سی بات بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ ابن جریج تو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ التهذيب ج٦/ص٤٠٥ اور السير ج٦/ص٣٣٣، ٣٣٤ میں ہے

بلکہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی عمر ستر سال تھی، ان کا اور امام ابوحنیفہؒ کا سن مولد ۸۰ھ عمر ۷۰سال اور وفات ۱۵۰ھ ایک ہی ہے۔ بتلایئے ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے، حضرت براءؓ ــــ جو ۷۲ھ میں فوت ہوئے (تقریب:ص۴۳)ــــ سے سماع کا اظہار کیونکر کرسکتے ہیں؟ اگر براء بن عازبؓ معروف صحابی نہیں، کوئی اور ہیں تو بتلایا جائے۔ براء نام کا اور کون سا صحابی ہے جس سے براہِ راست امام ابن جریج نے روایت لی ہے؟ بصورتِ دیگر تسلیم کیا جائے کہ یہ جسارت کرنے والا کوئی کذاب ہے جس نے یہ سلسلہ سند جوڑا ہے۔

تیسری سند...... ایک اور لطیفہ

الجزء المفقود کے ص۸۴ حدیث ۲۴ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

”عبدالرزاق عن ابن جريج عن الزهري أنه سمع عقبة بن عامر“

ڈاکٹر حمیری نے فرمایا ہے کہ کتبِ جرح و تعدیل میں زہریؒ کا حضرت عقبہ بن عامرؓ سے سماع ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے جبکہ عقبہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ یوں ان کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال تھی۔ لیکن احتمال ہے کہ اُنہوں نے حضرت عقبہ سے سنا ہو، کیونکہ حدیث کے لئے سن تحمل پانچ سال ہے جیسا کہ امام ابن صلاح نے اپنے المقدمة میں ذکر کیا ہے۔ یوں یہ روایت متصل ہے ورنہ منقطع۔ فاضل ڈاکٹر اس روایت کو متصل بنانے کے لئے بڑی دور کی کوڑی لائے۔

اوّلاً تو عرض ہے کہ فاضل ڈاکٹر نے ۶۰ھ کو حضرت عقبہ کا سن وفات کس دلیل سے متعین کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ: ج۳/ص۴۶۶، التہذیب ج۷/ص۲۴۳، میں اور علامہ ذہبیؒ نے السیر ج۲/ص۴۶۸، ۴۶۹ وغیرہ میں بالصراحت ان کی وفات ۵۸ میں ذکر کی ہے۔ آخری عمر میں ان کا مدینہ طیبہ میں ہونا بھی ثابت نہیں۔ مصر میں فوت ہوئے، مقبرہ المقطم میں دفن ہوئے۔ اس لئے سن تحمل کی بنا پر امکانِ سماع کا دعویٰ بہرحال مخدوش ہے بلکہ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج۱ص۳۳۱) باب كيف الأذان میں صراحت کی ہے:

”والزهري لم يسمع من عقبة بن عامر“ کہ زہری نے حضرت عقبہؓ سے نہیں سنا۔ یہ روایت جس کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ نے یہ حکم لگایا ہے، یہ طبرانی کبیر ج۱۷/ص۳۴۴

میں ہے اور یہ مُعنعن ہے یعنی زهري عن عقبة مگر یہ شرف صرف الجزء المفقود کے ناسخ یا راوی کو حاصل ہوا کہ اس نے امام زہری کا حضرت عقبہؓ سے سماع ثابت کر دیا۔ ماشاء اللہ!

متن میں نکارت

حضرت عقبہؓ کی اسی روایت کے الفاظ ہیں: "من توضأ فأتم وضوء ہ ثم رفع رأسه إلى السماء... الخ" فاضل ڈاکٹر حمیری نے اس کی تخریج میں صحیح مسلم اور ابن ابی شیبہ وغیرہ کا حوالہ دیا اور فرمایا: "من طريق ابن عثمان بن نفير عن جبير أبي عثمان بن مالك الحضرمي" لیکن یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے، صحیح "من طريق أبي عثمان عن جبير بن نفير بن مالك ہے۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ کیا اس سند سے محولہ کتابوں میں "ثم رفع رأسه إلى السماء" کے الفاظ موجود ہیں؟ ڈاکٹر حمیری تک تو شاید ہماری یہ گزارشات نہ پہنچ پائیں مگر پاکستان میں ان کے ہم نوا اور اس نسخہ کی تحسین کرنے والے تو موجود ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ محولہ کتب میں حاشیہ کی بیان کی ہوئی سند میں یہ اضافہ موجود ہے؟ ﴿وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اضافہ أبوعقيل عن ابن عمه عن عقبة کی سند سے ابوداود ج۱/ص ۶۶ مع العون، ابن ابی شیبہ ج۱/ص۴، مسند احمد ج۴/ص ۱۵۰، ۱۵۱ اور سنن دارمی ج۱/ص۱۸۲ میں ہے اور اس میں ابن عم ابی عقیل مجہول ہے، جیسا کہ علامہ منذری نے مختصر ابی داود میں کہا ہے۔ غور فرمایئے ڈاکٹر حمیری نے کس ہوشیاری سے اس متن کو صحیح بنانے کی کوشش کی ہے۔ رہی الجزء المفقود کی سند تو اس کا قصہ آپ کے سامنے ہے۔

چوتھی سند اور ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی

الجزء المفقود (ص۸۸ رقم ۲۸) کی ایک سند دیکھئے:

"عبدالرزاق قال أخبرني الزهري عن سفيان بن شبرمة عن سعيد بن جبير"

اوّلاً سوال یہ ہے کہ سفیان بن شبرمہ کون ہے؟ ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی دیکھئے کہ وہ یہاں تو اس کے تعارف سے خاموش ہیں مگر رجال کی فہرست ص۱۰۴ میں اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ إنا

© rasailojaraid.com

لله وإنا إليه راجعون! چلئے ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ طباعتی غلطی ہوگی صحیح 'سفیان عن ابن شبرمہ' ہے کیونکہ المصنف (ج۱/ص۱۵) میں یہی اثر یحییٰ بن الیمان عن سفیان عن ابن شبرمة کی سند سے موجود ہے اور ابن شبرمہ،عبد اللہ بن شبرمہ ہیں اور ان سے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ دونوں سفیان روایت کرتے ہیں۔مگر سوال پھر یہ ہے کہ کیا امام زہریؒ سفیان ثوریؒ یا سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں؟ تہذیب الکمال وغیرہ اُٹھا کر دیکھئے؛ امام زہریؒ کے اساتذہ میں ان کا نام آتا ہے؟ بلکہ سفیان بن عیینہ تو امام زہریؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور باکثرت ان سے روایات بیان کرتے ہیں،مگر یہاں انہیں امام زہریؒ کا ماشاءاللہ اُستاد بنا دیا گیا۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ کہا گیا ''عبدالرزاق قال أخبرني الزهري'' حالانکہ امام عبدالرزاق ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ خود محترم حمیری صاحب نے ص۲۳ پر نقل کیا ہے، جبکہ امام زہری ۱۲۳ یا ۱۲۴، ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے (تہذیب الکمال :ج۱۷/ص۲۳۲) وغیرہ ۔لہٰذا جب امام عبدالرزاق امام زہری کی وفات سے علیٰ حسب الاختلاف ایک یا دو یا تین سال بعد پیدا ہوتے ہیں تو اب ان سے أخبرني الزهري بیان کرنے والا کون کذاب ہے؟ بينوا توجروا !!

مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے متن میں فإذا نبتت له يغسلها نقل کیا ہے جس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔صحیح لم يغسلها ہے،جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ممکن ہے کہ لَـهٗ کمپوزنگ کی غلطی ہو۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

پانچویں سند کا لطیفہ

الجزء المفقود ص۸۹،حدیث ۳۰ میں ایک سند یوں ہے:

''عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن أبى عيينة عن يزيد الرقاشي''

ابھی ہم عرض کر آئے ہیں کہ امام زہری، امام ابن عیینہ کے اُستاد ہیں،شاگرد نہیں۔علاوہ ازیں ابن عیینہ کا سماع یزید بن ابان رقاشی سے نہیں۔ ابن عیینہ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے جبکہ یزید رقاشی کے بارے میں ہے کہ وہ ۱۱۰ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہوئے۔(التاريخ الصغير

للبخاري:ج۲/ص۳۴۳) ۔کوئی حتمی تاریخ وفات کا ذکر نہیں ملا۔ اب محض اس الجزء المفقود کی بنیاد پر ابنعیینہ کو یزید رقاشی کا شاگرد کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ خود ابن عیینہ فرماتے ہیں:

”أول من جالست عبد الكريم أبو أمية وأنا ابن خمس عشرة سنة قال وقرأت القرآن وأنا ابن أربع عشر سنة“(السیر: ج۸/ص۴۶۴)

’’سب سے پہلے جس کے سامنے میں نے زانوے تلمذ طے کئے ہیں وہ عبدالکریم بن ابی المخارق ابواُمیہ ہیں، تب میری عمر ۱۵ سال تھی اور میں نے قرآنِ مجید ۱۴ سال کی عمر میں پڑھا۔‘‘

جب صورتِ واقعہ یہ ہے کہ امام ابن عیینہ کا سن تحمل ۱۵ھ ہے تو اس حساب سے ۱۱۰ھ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہوجانے والے یزید رقاشی بصری سے ان کا سماع کیونکر متعین ہوسکتا ہے؟ اس لئے یہ سند بھی خانہ ساز ہے اور علم الروایہ کے بالکل منافی ہے۔

چھٹی سند

الجزء المفقود ص۹۴ کی حدیث ۴۰ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

عبدالرزاق عن الزهري عن جندب عن الأسود بن يزيد أن ابن عمر توضأ... الخ

ابھی ہم ’چوتھی سند‘ کے تحت ذکر کرآئے ہیں کہ امام زہریؒ سے امام عبدالرزاقؒ کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ امام عبدالرزاقؒ، امام زہریؒ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے، لہٰذا حسبِ سابق یہ سند بھی بناوٹی ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر حمیری اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: هٰذا الاسناد فيه انقطاع بين عبدالرزاق والزهري“ کہ اس سند میں زہری اور عبدالرزاق کے مابین انقطاع ہے مگر اس سے قبل ص ۸۸ حدیث ۲۸ میں جہاں عبدالرزاق أخبرني الزهري کہہ کر دونوں کے مابین سماع کی صراحت کی گئی ہے، اس کے بارے ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہیں۔ ہمارا سوال یہی ہے کہ جس سے سماع نہ ہو اس کے باوجود راوی اس سے سماع کا اظہار کرے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ امام عبدالرزاقؒ کے بارے میں غلط بیانی اور کذب کا الزام بہرنوع غلط ہے۔اب اس کی جسارت کسی غلط کار اور

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کذاب نے نہیں کی تو اور کس نے کی ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ امام زہریؒ جو جندب سے روایت کرتے اور الاسود بن یزید کے شاگرد ہیں، وہ کون ہیں؟ نیز یہ بھی کہ سند میں أن ابن عمر بھی بہرحال غلط ہے۔ صحیح أن عمر ہے، جیسا کہ الاسود بن یزید ہی سے یہ اثر حضرت عمرؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ (ج۱رص۱۸) میں ہے۔

ساتویں حدیث

الجزء المفقود ص۸۰،۸۱ میں ایک روایت ابوسعید خدریؓ سے بایں سند نقل کی گئی ہے:

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سعيد عن أبيه عن جده أبي سعيد قال رسول الله ﷺ: «لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه» (رقم:۲۰)

یہ روایت بظاہر سند کے اعتبار سے حسن ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کے استاد ابوسعید ربیح بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید سے یہ روایت کثیر بن زید بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ چنانچہ کثیر بن زید کی سند سے یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱رص۲، العلل الکبیر از ترمذی: ج۱رص۱۱۲،۱۱۳، مسند احمد: ج۳رص۴۱، سنن دارمی: ج۱رص۱۷۱، ابن ماجہ: رقم ۳۹۷، مسند ابویعلی: رقم ۱۰۶۰، سنن دارقطنی: ج۱رص۷۰۲، سنن بیہقی: ج۱رص۴۳، مستدرک حاکم: ج۱رص۱۴۷ اور مسند عبد بن حمید: رقم ۹۱۰ وغیرہ کتب میں اسی سند سے مروی ہے اور امام حاکم اور امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ

"أحسن ما يروى في هذا الحديث كثيربن زيد"

''اس باب میں سب سے بہتر وہ ہے جو کثیر بن زید بیان کرتے ہیں۔''

یہی بات امام ابن عدی نے الکامل ج۳رص۱۰۳۴ میں ربیح کے ترجمہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ'' لا أعلم يروى هذا الحديث عن ربيع غير كثير" کہ ''میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث ربیح سے کثیر کے علاوہ کوئی اور بھی روایت کرتا ہے۔'' امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں: "هو أصح ما في الباب" کہ ''یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔'' (التخلیص: ج۱ص۷۴) امام بزار فرماتے ہیں: "لا نعلمه يروى عن أبي سعيد إلا بالاسناد المذكور" ''ہم نہیں جانتے کہ حضرت ابوسعیدؓ سے اس سند

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ بھی کسی نے روایت کیا ہے۔'' (البدر المنیر: ج۲ص۷۸) ہم اس حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام احمد، امام اسحٰق کا فرمانا کہ اس باب میں سب سے بہتر روایت کثیر بن زید کی ہے۔ امام بزار، امام ابن عدی کا فرمانا کہ کثیر کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ امام احمد، امام اسحٰق براہ راست امام عبدالرزاق کے شاگرد ہیں۔ امام حاکم، امام بیہقی نیز علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر وغیرہ اسحٰق بن ابراہیم الدبری جو المصنف عبدالرزاق کے راوی ہیں کے واسطہ سے المصنف کی جابجا روایات ذکر کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت ان کی المصنف میں زھری عن ربیع کی سند سے ہوتی تو کیا یہ حضرات کثیر کا تفرد اور اس کی سند سے اسے سب سے بہتر قرار دیتے؟ ...... ہرگز نہیں!

ان محدثین کے تبصرہ کے بعد اس روایت کی یہ سند بھی خانہ ساز اور وضعی معلوم ہوتی ہے۔

آٹھویں حدیث اور ڈاکٹر حمیری

الجزء المفقود ص۸۲ میں حدیث ۲۱ کی سند یوں ہے:

"عبدالرزاق عن ابن جريج أخبره رجل عن أبي هريرة"

یہ روایت بھی تسمية في الوضوء کے بارے میں ہے جو مسند امام احمد، سنن ابی داود، ابن ماجہ وغیرہ کتب میں يعقوب بن سلمة عن أبيه عن أبی هريرة کی سند سے معروف ہے۔ امام حاکم نے یعقوب بن سلمہ کو يعقوب بن أبي سلمة الماجشون قرار دیا ہے، مگر علامہ ابن صلاح، علامہ نووی، علامہ ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، علامہ ابن مُلقن اور علامہ زیلعی وغیرہ نے خبردار کیا کہ یہ امام حاکم کا وہم ہے، صحیح يعقوب بن سلمة ہے۔

یہاں ڈاکٹر حمیری کی لیاقت دیکھئے، فرماتے ہیں: اس سند میں ابن جریج کا استاد رجل مبہم ہے اور وہ ہے يعقوب بن سلمة الليثي، ان کے الفاظ ہیں: إن الرجل هو يعقوب بن سلمة الليثي مگر یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں نہ آئی کہ جن مراجع کی بنیاد سے المصنف میں رجل کو یعقوب بن سلمہ قرار دیا ہے، وہ تو انہی مراجع میں اپنے باپ سلمة سے روایت کرتے ہیں جبکہ رجل براہِ راست حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتا

www.KitaboSunnat.com

ہے، اس لئے یہ یعقوب کیونکر ہو سکتا ہے؟

حدیثِ نور

اب آیئے اس روایت کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے جس کے لئے یہ الجزء المفقود طبع کیا گیا۔ جس کی تخریج میں کہا گیا کہ شیخ ابن عربی نے تلقیح الفهوم میں انہی الفاظ سے ذکر کیا ہے، الخرکوشی نے شرف المصطفیٰ میں حضرت علیؓ سے اس معنی میں روایت بیان کی ہے، عجلونی نے کشف الخفاء میں عبدالرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور قسطلانی نے اسے المواهب اللدنية میں ذکر کیا ہے، اور عبدالملک الطبنی نے اپنے فوائد میں اسے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ کیا شیخ ابن عربی نے اسے المصنف عبدالرزاق کی سند سے نقل کیا؟ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کی روایت سے سند کیا ہے؟ اور وہ بھی المصنف کی روایت کے ہم معنی ہیں۔ عبدالرزاق کے حوالے سے کشف الخفاء کا حوالہ بھی ثانوی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ علامہ عجلونی نے جو کچھ نقل کیا، المواهب اللدنية سے نقل کیا ہے۔ گویا المصنف کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی یہ روایت سب سے پہلے علامہ قسطلانی نے ذکر کی ہے اور وہ بھی بلاسند، اور اب المصنف عبدالرزاق میں مل گئی جس کی بظاہر سند بھی درست ہے، مگر مقامِ غور ہے کہ علامہ قسطلانی نے جو الفاظ المصنف سے نقل کئے ہیں کیا انہی الفاظ سے یہ الجزء المفقود میں ہے؟ قطعاً نہیں۔ نسخوں کے اختلاف میں الفاظ کے مختلف ہونے کی بات اپنی جگہ مگر یہاں تو سرے سے اصل موضوع ہی بدلا ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ المواهب میں ہے کہ نور نبيك من نوره جبکہ الجزء المفقود میں ہے: ''نور نبيك يا يا جابر خلقه الله'' اس کے بعد الجزء میں ہے: ''ثم خلق فيه كل خير وخلق بعده كل شيئ وحين خلقه أقامه قدامه من مقام القرب اثنى عشر ألف سنة'' کہ ''پھر اس نور میں ہر قسم کی خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا کیا، اور جب سے اسے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سامنے مقامِ قرب میں بارہ ہزار سال رکھا'' جبکہ المواهب میں ہے:

''فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولاسماء ولا أرض ولا شمس

ولا قمر ولا جني ولا إنسي"

غور فرمائیے، آخری حصہ تو "الحديث يفسر بعضه بعضا" کا مصداق ہے جبکہ پہلے حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ نور قدرت سے جہاں چاہا، چکر لگاتا رہا۔ اندازہ کیجئے دونوں میں کتنا نمایاں فرق ہے۔ الجز میں ربّ ذوالجلال کے سامنے مقامِ قرب میں ٹھہرنے کا ذکر ہے جبکہ المواھب میں اپنی مرضی سے چکر لگانے کا ہے۔ الجزء میں مقامِ قرب میں یہ حضوری بارہ ہزار سال بتلائی گئی جبکہ المواھب میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں۔ پھر الجزء میں ہے کہ اس نور کے چار حصے کئے، ایک قسم سے عرش اور کرسی، ایک قسم سے حاملین عرش اور خزنۂ کرسی، اور چوتھی قسم مقامِ محبت میں بارہ ہزار سال کھڑی رہی۔ چنانچہ اسکے الفاظ ہیں:

"ثم جعله أربعة أقسام فخلق العرش والكرسي من قسم وحملة العرش وخزنة الكرسي من قسم وأقام القسم الرابع في مقام الحب اثنى عشر ألف ثم جعله أربعة اقسام"

اوّلاً تو یہاں اس نور کے تیسرے حصے سے جو کچھ بنا، اس کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں۔ شاید یہ حصہ جناب دکتور حمیری صاحب کی نورِ نظر سے اوجھل ہوگیا ہے۔

ثانیاً: المواھب میں اس کے برعکس اس نور سے جن تین چیزوں کے وجود میں آنے کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں پہلے حصہ میں القلم، دوسرے حصہ سے اللوح، تیسرے حصے میں العرش، چنانچہ المواھب کے الفاظ ہیں:

"فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثاني اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء"

الفاظ کے تغیر سے قطع نظر یہاں نور کے چوتھے حصہ کا بارہ ہزار سال تک مقامِ محبت میں کھڑے رہنے کا بھی ذکر نہیں۔ اور نور کے اجزا سے تخلیقِ کائنات میں فرق بھی نمایاں طور پر ظاہر ہورہا ہے۔

اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے کہ اس چوتھے حصہ نور کو چار پر تقسیم کیا گیا تو ایک حصہ سے القلم، ایک حصہ سے لوح، ایک حصہ سے جنت اور چوتھا بارہ ہزار سال تک مقامِ خوف میں رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

© rasailojaraid.com

”فخلق القلم من قسم واللوح من قسم والجنة من قسم ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثنى عشر ألف سنة“

جبکہ اس کے بالکل برعکس المواهب میں المصنف کے حوالے سے ہے کہ

”فخلق من الجزء الأول حملة العرش ومن الثاني الكرسي ومن الثالث باقي الملائكة ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء“

اس دوسری قسم میں نور کے ایک حصہ سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی تمام ملائکہ؛ انصاف فرمائیے، دونوں میں کوئی توافق ہے؟ جن چیزوں کی تخلیق کا ذکر الجزء المفقود میں ہے، ان کا تذکرہ المواهب کی نقل کردہ روایت میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور نہ ہی اس میں چوتھے حصہ نور کا بارہ ہزار سال تک مقامِ خوف میں رہنے کا ذکر ہے۔

آگے دیکھئے الجزء المفقود میں اس کے بعد ذکر ہے کہ اس چوتھے حصہ کو پھر چار پر تقسیم کیا گیا، جس کے ایک حصہ سے فرشتے، ایک حصہ سے سورج، ایک حصہ سے چاند اور تارے اور چوتھا حصہ مقام رجاء میں بارہ ہزار سال تک ٹھہرا رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

”جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء والشمس من جزء والقمر والكواكب من جزء وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثنى عشر ألف سنة“

جبکہ المواهب میں اس کے برعکس ہے:

”فخلق من الأول السموات ومن الثاني الأرضين ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع أربعة أجزاء“

”پھر اس نور کے ایک حصہ سے آسمان، دوسرے حصہ سے زمینیں، تیسرے سے جنت اور جہنم پیدا کئے گئے، پھر چوتھے حصہ کو چار میں تقسیم کیا گیا۔“

ایمانداری سے بتلایا جائے؛ دونوں میں کوئی موافقت ہے؟ جن اشیا کا تیسری تقسیم میں الجزء المفقود میں ذکر ہے، کیا ان میں کوئی چیز المواهب کی بیان کردہ روایت میں پائی جاتی ہے؟ اور الجزء المفقود میں بارہ ہزار سال تک مقام رجاء میں ٹھہرے رہنے کا ذکر اس پر مستزاد ہے۔ اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے: وہ چوتھا حصہ پھر چار اجزا میں تقسیم کیا گیا، ایک جز سے عقل کو، ایک جز سے علم وحکمت اور عصمت وتوفیق کو پیدا کیا اور

© rasailojaraid.com

چوتھا حصہ بارہ ہزار سال تک مقام حیا میں کھڑا رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

”ثم جعله أربعة أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء وأقام الجزء الرابع في مقام الحياء اثنى عشر ألف سنة“

اوّلاً تو یہاں تیسرے حصۂ نور سے تخلیق کا ذکر ہی نہیں۔ شاید یہاں بھی ڈاکٹر حمیری کی نظر سے چوک ہوئی ہو، مگر کیا کیا جائے المواهب میں المصنف کے حوالے سے اس کے بالکل برعکس ہے کہ

”فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، ومن الثاني نور قلوبهم وهي المعرفة بالله، من الثالث نور إنسهم وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله“الحديث .

”اسکے ایک حصہ سے مؤمنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ کی معرفت اور تیسرے سے ان کے اُنس کا نور پیدا کیا یعنی توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔“

دونوں روایتوں میں فرق ہر اس شخص کو نظر آتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نورِ ایمان سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود الجزء المفقود کو المصنف عبدالرزاق باور کرانا اور اس کی سند دیکھ کر خوشی کے ڈونگرے برسانا کہ المواهب میں عبدالرزاق کی بیان کردہ سند مل گئی، ہمارے نزدیک نہایت طفلانہ شوخی ہے۔ علم الروایہ سے معمولی شد بد رکھنے والا بھی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے مگر افسوس! ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہم نوا ڈھنڈورچی اسے محض نسخوں کا فرق قرار دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ علامہ قسطلانی نے اس کے بعد کا حصہ نقل نہیں کیا، جس سے پتہ چلتا کہ دونوں کے الفاظ کیا ہیں؟ المواهب کے شارح علامہ زرقانی کو المصنف کا نسخہ نہیں ملا، اس لئے اُنہوں نے فليراجع من مصنف عبدالرزاق مع تمام الحديث کہہ کر خاموشی اختیار کی۔

الجزء المفقود کی پہلی حدیث اور حدیثِ نور

اول تخلیق کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی روایت تو معروف ہے۔ اس کے بارے میں

© rasailojaraid.com

معنوی اعتراضات اوران کے جوابات معلوم شد، ہم یہاں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ، نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔لیکن اسی حوالے سے الجزء المفقود کی پہلی روایت کی سند اور ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں :

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن السائب بن يزيد قال إن الله تعالىٰ خلق شجرة ولها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين، ثم خلق نور محمدﷺ في حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاؤس ووضعه على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة"

سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔سائبؓ بن یزید صحابی ہیں۔ یہ روایت گو مرفوع نہیں لیکن حکماً مرفوع ہے، کیونکہ حضرت سائب نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، وہ عقل وفکر کا مسئلہ نہیں نہ ہی وہ اہل کتاب سے لینے والے ہیں۔ اس کا تعلق بدء الخلق سے ہے، اس لئے یہ حکماً مرفوع ہے۔حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا کیا،جس کی چار شاخیں تھیں۔اس کا نام شجرۃ الیقین رکھا پھر نورِ محمدؐ کو پیدا کیا،ایک سفید موتی کے پردہ میں اس کی شکل وصورت طاؤس کی سی تھی اور اسے اس درخت پر رکھا تو اس نے ستر ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔''

یہ بعد کی کہانی ہمارا موضوع نہیں۔ہم صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں نورِ محمد ﷺ کی تخلیق شجرۃ الیقین کے بعد بیان ہوئی ہے۔اس روایت میں تخلیق حقیقی اور اضافی کی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، کیونکہ اس کا بیان یہاں ثُمَّ سے ہوا جو تراخي چاہتا ہے اور بیان ہے کہ طاؤس کی صورت میں یہ نورِ محمد ﷺ اس درخت پر بٹھایا گیا جس سے تخلیقاً آپ ﷺ کے نور کی اوّلیت ثانوی حیثیت میں رہ جاتی ہے۔ڈاکٹر حمیری نے حضرت جابرؓ کی روایت کے تحت پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر حضرت سائبؓ کی روایت سے جو اشکال وارد ہوتا ہے اور تخلیق کی جو کہانی اس میں بیان ہوئی ہے، وہ حضرت جابر کی روایت کے بالکل برعکس ہے۔ افسوس ہے کہ چارہ گروں نے اس طرف مطلق توجہ نہیں دی۔ یہ پہلی روایت جو تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے، اس کا پورا مضمون اس کے وضعی اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔آپ اندازہ لگائیں کہ اس روایت میں فرمایا گیا کہ آپ ؐ

© rasailojaraid.com

کے نور کو جو طاؤس کی شکل دی گئی، اس کے سر کے پسینہ سے فرشتے پیدا ہوئے۔ چہرے کے پسینہ سے عرش، کرسی، لوح وقلم، شمس وقمر، ستارے اور دیگر آسمانی اشیا بنیں، اس کے سینہ کے پسینہ سے انبیاء ورسل، علماء وصلحاء وشہدا پیدا ہوئے۔ پھر باقی اعضا کے پسینہ سے دیگر مخلوقات بننے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر کہا گیا:

''ثم سبح سبعين ألف سنة ثم خلق نور الأنبياء من نور محمد ﷺ''

''پھر طاؤس نے ستر ہزار سال تک اللہ کی تسبیح بیان کی، پھر انبیاء علیہم السلام کا نور آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیا۔''

قابل غور بات یہ ہے کہ آپ کے عرقِ صدر سے انبیاء علیہم السلام کی تخلیق تو پہلے ہوچکی، اس کے بعد آپ ﷺ کے نور سے انبیا کے نور کا پیدا ہونا چہ معنی دارد؟ پھر اس میں تمام آسمانی اشیاء کو چہرے کے پسینہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا، جبکہ حضرت جابرؓ کی روایت میں معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس لئے یہ پہلی روایت ہی اپنی سند صحیح ہونے کے باوجود حضرت جابرؓ کی روایت کے مخالف اور اس کا متن اس کے وضع ہونے کی دلیل ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات کسی کذاب یا وضاع کی گھڑی ہوئی ہیں۔

امام عبدالرزاق کی ہمشیرہ کا بیٹا احمد بن عبداللہ تھا جسے احمد بن داود بھی کہا گیا ہے، وہ کذاب تھا اور حدیثیں بنا بنا کر امام عبدالرزاق کی احادیث میں داخل کردیتا تھا۔ (میزان و اللسان: ج۱ رص ۱۷۰، ۱۹۷) کیا بعید ہے کہ یہ کارستانی کہیں اسی کی نہ ہو۔ ورنہ المصنف کا راوی تو اسحٰق بن ابراہیم الدبری ہے اور جن حضرات نے اس کی سند سے المصنف کا سماع کیا ہے وہ نہ تو المصنف کے ناقص ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی کہیں ان روایات کا اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ الجزء المفقود المصنف کا قطعاً حصہ نہیں۔ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ

① ڈاکٹر عیسیٰ حمیری خود اس کے انتساب میں پوری طرح مطمئن معلوم نہیں ہوتے۔

② اس کا ناسخ مجہول ہے، نہ اس پر محدثین کی سماعات ہیں اور نہ ہی کسی سے اس کی توثیق منقول ہے۔

③ المصنف کتاب اور ابواب کے تحت مرتب کی گئی ہے جبکہ الجزء المفقود میں

www.KitaboSunnat.com

کتاب کا عنوان نہیں ـــــ آخر کیوں؟

④ نویں صدی تک کے ائمہ محدثین المصنف کی سماعات کا ذکر کرتے ہیں نہ وہ نقص کا اشارہ کرتے ہیں اور نہ ہی اُنہوں نے ان اسانید سے روایات کا اشارہ کیا ہے۔

⑤ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی اسانید سے پانچ روایات الجزء المفقود میں ہیں اور ان کی اسانید سے عیاں ہوتا ہے کہ یہاں سند سازی کی گئی ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایہ ہیں، الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات اس سے مروی ہیں، مگر المصنف میں ان کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں پائی جاتی، آخر کیوں؟

⑥ ابن جريج أخبرني البراء کی سند اس کے وضعی ہونے کی دلیل ہے۔

⑦ الزهري سمع عقبة بن عامر کی سند بھی اس کے بناوٹی ہونے کا ثبوت ہے۔

⑧ عبدالرزاق أخبرني الزهري کی سند بھی کسی کذاب کی کارستانی ہے۔

⑨ امام ابن عیینہ کو امام زہریؒ کا استاد ظاہر کرنا اس کی ثقاہت کے منافی ہے۔

⑩ تسمیہ وضو کی روایت کی سند تمام محدثین کی تصریحات کے خلاف اس کے بناوٹی ہونے کی دلیل ہے۔

⑪ حضرت جابرؓ کی حدیثِ نور کا متن، المواهب میں المصنف کے حوالہ سے نقل کئے گئے متن کے بالکل برعکس ہے۔ اگر یہی اس کی سند ہے تو اتنا گھپلا کیوں؟ دونوں میں صحیح متن کون سا ہے اور کس ترتیب سے ہے؟ الجزء المفقود کے بعد المواهب کے بیان و تفصیل کی پوزیشن کیا ہے؟

⑫ الجزء المفقود کی پہلی روایت بھی حضرت جابرؓ کی حدیث کے منافی ہے۔ بلکہ وہاں تو آپ ﷺ کے نور کی پیدائش ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے اور اس کا پورا متن بھی حضرت جابرؓ کی روایت کے خلاف ہے اور کسی قصہ گو کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

اُمید ہے کہ ہماری ان گزارشات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھ کر سنجیدگی سے فیصلہ کیا جائے گا کہ الجزء المفقود المصنف کا حصہ ہے یا نہیں؟ کسی کتاب کے جز کا کسی امام کی طرف انتساب کوئی اچنبھے کی بات نہیں، ایسی کارستانی ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے جیسا کہ ہم آغاز میں بحوالہ ذکر کر آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

www.KitaboSunnat.com